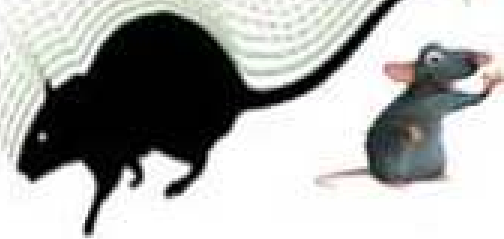


خوفناک چو ہے

﴿قمر جہاں﴾



اپنی لپیٹ میں لے لیا اور بچے بڑھے، جوان، مرد اور عورتیں سڑکوں
 گلیاں اور فٹ پاتھوں پر نکل آئے تھے۔
 پھر، مغرب کی اذانوں سے پہلے ہی ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی۔ پیاسی
 زمین اور پیاسے درود یوار نے سوندھی سوندھی سی من بھاتی مہک اگلنا
 شروع کر دی۔

دیکھتے ہی دیکھتے موٹے موٹے اور نہر کنے والے بے تحاشہ ٹھنڈے
 قطروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بادلوں کی دل ہلا دینے والی گرج اور
 آسمانی بجلی کے کڑا کے شروع ہو گئے۔

مغرب کی اذانیں ہونے تک جل تھل ہو گیا۔ تین چار برس سے
 بارشوں کے طلب گار لوگوں نے خوب انجوائے کیا۔ تقریباً ہر شخص ہی
 گرمی دانوں سے عاجز ہو چکا تھا۔ ایسے نفوس کے لیے تو واقعی بارش
 بارانِ رحمت بن چکی تھی۔ میں نے مغرب کی نماز میں مسجد بولٹن

خوفناک چو ہے

اللہ اللہ کر کے بارش شروع ہو گئی۔ گزشتہ تین یوم سے پورا شہر پھنک
 رہا تھا۔ جس گھٹن اور گرمی کا یہ عالم تھا کہ سڑکیں، گلیاں اور محلے سنان
 ہو چکے تھے۔

گرمی، گھٹن اور جس صرف تین یوم سے نہیں تھا بلکہ پندرہ مئی کے بعد
 ہی آگ برسنے لگی تھی۔ تین یوم سے علمائے کرام نے مسجد میں
 دعائیں مانگی تھیں۔ اجتماعی نوافل کے انتظامات کئے تھے۔ تب کہیں
 جا کر دریائے رحمت نے جوش مارا تھا۔

ظہر نماز کے بعد ہی شمال مغربی سمت سے سیاہ بادلوں کے ٹھٹھٹا اٹنا
 شروع ہو گئے تھے اور عصر نماز تک پورا آسمان سیاہ بادلوں سے
 ڈھک چکا تھا۔

سورج کا نشان تک کہیں نظر نہیں آیا۔ پورے شہر کو گھپ اندھیرے نے

مارکیٹ میں ادا کی۔ گو کہ میرا گھر مسجد سے زیادہ دور نہ تھا، تاہم سڑکوں پر جمع ہونے والے پانی نے سیلابی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس پر ستم یہ کہ پورے شہر کی بجلی فیل ہو گئی تھی۔ اندھیرے کا یہ عالم تھا کہ نہ تو میں سمت کا تعین کر پایا اور نہ ہی راستوں کا۔ تاہم توکل بر خدا ہوئی چیلیں ہاتھ میں پکڑے، پتلون کے پائچے گھٹنوں تک اٹھائے، شپرد شپرد سے درمیانی فاصلہ عبور کرے اپنے گھر تک جانے والے فٹ پاتھ تک پہنچ ہی گیا۔

بارش کا پانی دکانوں کے سائبانوں اور بلند گلوں کے پرنا لون سے بہہ رہا تھا۔ ہر طرف ایک گونج سی مچی ہوئی تھی۔ فولادی شتر اور سائبان اس طرح بج رہے تھے جیسے پورے شہر نے طبلے کی تھاپ شروع کر دی ہو۔ اب تو گٹر بھی ابلنے لگے تھے اور گٹروں کا پانی بارش کے پانی سے مل کر فٹ پاتھ پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”اف اللہ۔۔۔“ بے ساختہ میرے لبوں سے کراہ سی نکل گئی اور میں دائیں ٹانگ اٹھا کر پیر کا جائزہ لینے لگا۔ لیکن اندھیرے کے باعث مجھے نظر تو کچھ بھی نہیں آیا البتہ انگلیوں کی چیچپا ہٹ سے اندازہ ہوا کہ پیر کسی چیز سے کٹ چکا ہے اور خون بہنے لگا ہے۔ اب میرا گھر بھی قریب آچکا تھا۔ میں نے ٹانگ جھکا دی اور نیچے کے بل ہبک ہبک کرتے ہوئے گھر کے دروازے تک پہنچ گیا۔

تھپتھپاتے ہی دروازہ کھول دیا گیا۔ اندر چونکہ چارج ٹیوب کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی روشنی کا ایک بڑا سا ہالہ فٹ پاتھ کو بھی کچھ نہ کچھ روشن کر چکا تھا۔ اس روشنی میں ایک تخریز منظر دیکھ کر میں بھونچکا رہ گیا۔

پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ گٹر ابلنے لگے تھے۔ لہذا گٹروں میں بسنے والی مخلوق یعنی چھوٹے بڑے چوہے گٹروں سے نکل آئے تھے۔

میں نے دیکھا وہ چند چو ہے تھے جو ایک بڑے چو ہے کی قیادت و تقلید میں فنٹ پاتھ پر کچھ نہ کچھ سونگھ رہے تھے یا پھر چاٹ رہے تھے۔ اگر وہ کچھ چاٹ رہے تھے تو نہ جانے کیوں مجھے خدشہ ہوا کہ میرے زخمی پیر سے بہنے والا خون ہی چاٹ رہے تھے۔

بہر حال میں نے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور اپنی بیوی نعیمہ سے کہا کہ جلدی سے فرسٹ ایڈ بکس لا دے۔ میرے تینوں بچے میرے گرد جمع ہو کر میرے پیر سے بہنے والے خون کو دیکھ دیکھ کر عجیب عجیب سی شکلیں بنا رہے تھے۔

دس منٹ میں بینڈیج سے فارغ ہو گیا۔ مجھے پتہ ہی نہ چل سکا کہ پانچ منٹ پہلے ہی بارش رک چکی ہے۔ چونکہ بادلوں کی دل ہلا دینے والی گرج اور بجلیوں کے ہوش اڑا دینے والے کڑا کے ایک تسلسل سے گونج رہے تھے، اس لئے میں یہی سمجھا کہ بارش جاری ہے۔

بارش رکنے کا احساس تو اس وقت ہوا جب اچانک ہی روشنی بحال ہو گئی۔ بچوں نے تالیاں بجا بجا کر خوشی کا اظہار کیا۔ پر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی اس لئے کہ ٹھنڈا ہو جانے کے باعث میرے پیر میں جلن کے ساتھ ٹیسیں بھی پیدا ہونے لگی تھیں۔

”شی۔۔۔۔۔“ میری بیوی ہاتھ جھٹکتے ہوئے سرسرائی۔

میں سمجھا کہ وہ بلی کو بھگا رہی ہے۔ لیکن جب نعیمہ کی نظروں کی سیدھ میں، میں نے دیکھا تو وہ ایک موٹا اور بڑا چو ہاتھ جو فرش پر میرے پیر سے ٹپکنے والے خون کو اس طرح چاٹ رہا تھا کہ شی کی آواز سے بھی نہ چونکا۔

میں نے قریب پڑا ہوا ہوائی چپک اٹھا کر اس پردے مارا۔ وہ پھدک کر بھاگا اور واحد داخلی و خارجی دروازے کی سطحی خلاء سے باہر نکل گیا۔ صبح جب میں دروازہ کھول کر باہر نکلا تو سڑک کی دوسری

جانب والے فٹ پاتھ، دکانوں اور فلیٹوں کو دھوپ نے گھیرا ہوا تھا ساتھ ہی فٹ پاتھ پر چلنے والے لوگوں کو میں بڑی بے چینی سے شانے اچکاتے اور پیٹھ و گیرہ کھجلاتے دیکھ کر سمجھ گیا کہ تیز ہوا اور بارش کے بعد دھوپ کے نمودار ہونے پر انسانی جسم میں سرسراہٹ شروع ہو گئی ہے۔

میں چونکہ مشرق سمت کھڑا تھا اور میری پشت پر پانچ منزلہ بلڈنگ سایہ فلن تھی، اس لئے مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا۔

چند قدم بائیں طرف چلنے کے بعد میری پان کی دکان ہے۔ ہے ویسٹ اوپن لیکن جیسا کہ آج مخالف سمت کی ہلکی ہلکی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس لئے میرا جسم ہلکے پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔

ظہر کے بعد یہ سورج غائب ہوتا رہا اور اندھیرا بڑھتا رہا اور پھر بادلوں کی گرج اور بجلی کے جھماکے شروع ہو گئے۔ چار بجے ایک دم

سے بارش شروع ہو گئی اور سڑک پر بگدڑ مچ گئی۔ رات کے نو بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ کبھی موسلا دار بارش ہوتی اور کبھی دس پندرہ منٹ کے لئے رک جاتی۔

نوبے دکان بند کر کے میں بھی گھر پہنچ گیا۔ ٹی وی پر خبریں بھی سنتا رہا اور رات کا کھانا بھی کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ اسپورٹس کی خبروں کا وقت ہوا ہی تھا کہ گھپ اندھیرا چھا گیا۔ ساتھ ہی موسلا دار بارش بھی شروع ہو گئی۔

زیادہ سے زیادہ دس بجے تک ہم سو گئے۔ آج ہم نے چارج ہتی بھی روشن نہیں کی تھی۔ اچانک میرے بڑے بیٹے فیصل کی چیخوں پر میری نیند ٹوٹ گئی اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

”کیا ہوا بیٹے۔ کیا ہوا؟۔۔۔“ میں اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے بولا۔ ہم سب فرش پر درری بچھا کر سونے کے عادی تھے۔ پلنگ پر اس

سے اس قدر گوشت کھالیا گیا تھا کہ ہڈی نظر آنے لگی تھی۔ اگر میں فیصل کی فریاد پر جھاگ نہ پڑتا تو صائمہ اور اقبال کا بھی یہی حشر ہوتا۔ خون تھا کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

میری بیوی بھی گھبرا گئی۔ مرے ہوئے چو ہے کو دیکھ کر وہ مزید حیرت و گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئی۔ افراتفری اور ذہنی انتشار کے اس عالم میں میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔

ابھی میں کوئی فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ صائمہ اور اقبال بھی چہرے پر کرب کے آثار لئے اٹھ بیٹھے۔ اس کی زخمی ٹانگیں بھی فیصل کی ٹانگ کی طرح تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

میرا اندازہ تھا کہ میرے فرسٹ ایڈکس میں ایسی کوئی دوا نہ تھی جو خون کو روک سکے۔

”اے۔“ میری بیوی روہانسی آواز میں بولی۔ ”رات کے ڈھائی بج

رہے ہیں۔ باہر مکمل سناٹا ہوگا۔ کوئی رکشہ ٹیکسی بھی نہیں ہوگی۔ آپ عبدالستار ایڈیٹی یا پانٹوا والوں کو فون کر کے ایمبولینس طلب کر لیں اور پلیز ذرا جلدی کریں۔“

بات چونکہ معقول اور سمجھ میں آنے والی تھی اس لئے میں فوراً ہی ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا۔

مولانا کا اصل دوا خانہ چونکہ قریب ہی تھا اور سب سے اہم یہ کہ وہ ضرورت سے کہیں زیادہ انسانیت دوست تھے۔ اس لئے فون رکھے ہوئے مجھے پانچ ہی منٹ گزرے تھے کہ ایمبولنس دروازے پر پہنچ گئی۔

ہم جب باہر نکلے تو بارش رکی ہوئی تھی لیکن سڑک پر پانی اس قدر جمع ہو چکا تھا کہ ایمبولنس کے ڈائریکٹر ہی نہیں آ رہے تھے۔ جو کچھ بھی تھا دروازہ لاک کر کے ہم میاں بیوی اور تینوں بچے ایمبولنس میں سوار

ہو گئے۔ میرے بچوں کی ہائے وائے اور رونے چلانے نے مجھے تو بے حد زورس کر دیا تھا۔ پونے تین بجے ہم مولانا دواخانہ پہنچ گئے۔

دولید ڈاکٹرز اور دو میل ڈاکٹرز میرے تینوں بچوں کو فوری ٹریٹمنٹ کے لئے آپریشن تھیٹر میں لے گئے اور جب پونے چار بجے آپریشن تھیٹر سے برآمد ہوئے تو چاروں ڈاکٹروں کے چہرے مسکراتے ہوئے تھے۔ ٹھیک اسی لمحے لائٹ بھی آگئی۔ دواخانہ کی روشنیاں جنریٹر کی مرہون منت تھیں۔

ڈاکٹرز کی اجازت سے میری بیگم تو بچوں کے پاس چلی گئی اور ڈاکٹر مجھے اپنے ساتھ اپنے روم میں لے گیا۔

”ہاں تو مسٹر فاروق۔ اب بتائیے یہ سب کچھ کیسے ہوا؟“

کرسی پر بیٹھ جانے کے بعد ڈاکٹر مجھ سے مخاطب ہوا۔ میں نے انہیں سب کچھ تفصیل سے بتایا۔ ”ہوں۔ معاملہ واقعی تشویشناک

ہے۔۔۔“ ڈاکٹر ہنکارہ بھتے ہوئے بولا۔

”اچھا تو کیا آپ کا پیر بھی چوہوں نے؟“

”نہیں ڈاکٹر صاحب۔“ میں ان کا جملہ درمیان ہی میں اچکتے ہوئے بولا اور انہیں اپنے زخمی ہونے اور چوہوں کے خون چاٹنے کی تفصیل بتلا دی۔

”مسٹر فاروق۔ آپ کے تینوں بچے زخمی ہیں۔ ان کے زخم روزانہ ہی ہائیڈروجن سے صاف کئے جائیں گے۔ روزانہ انجکشن لگیں گے اور بیڈ تیج ہوگی۔

آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ نہ تو آپ زمین پر سوئیں گے اور نہ ہی آپ کے بیوی بچے۔

چوہے کے اوپر والے دو دانت بہت ہی تیز اور نشہ آور ہوتے ہیں۔ اول تو وہ کسی انسان کو کاٹتے نہیں ہیں لیکن آپ کی کہانی سن کے مجھے

کہنا پرتا ہے کہ آپ کے گھر کی گٹر لائنوں میں پرورش پانے والے چو ہے انسانی خون کے رسیا ہو چکے ہیں۔

وہ جب کسی انسان کو کاٹتے ہیں تو ان کے سامنے والے اوپری دانتوں سے ایک ریشہ سائل کر گوشت میں سرایت کر جاتا ہے اور متاثرہ شخص بے ہوشی کی نیند سو جاتا ہے۔ اب چاہیں وہ پوری ٹانگ کا گوشت کھالیں، متاثرہ شخص کو احساس تک نہیں ہو پاتا۔

اس کی مثال یوں ہے جیسے ہم کوئی بڑا آپریشن کرتے وقت مریض کو انجکشن لگانے کے بعد سرجری کا کام شروع کر دیتے ہیں۔

جس طرح بے ہوشی والے انجکشن کا اثر ختم ہو جاتا ہے، مریض میں حرکت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور جب وہ مکمل ہوش میں آ جاتا ہے اور آپریشن کی جلن اور تکلیف کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب چو ہے کو ہانکا جائے تو متاثرہ حصے میں درد اور جلن کا

احساس چھوڑ جاتا ہے۔

بہتر ہے کہ آپ کسی کیمیکل اسٹور سے زود اثر چو ہے مار دوا حاصل کریں۔ ورنہ صرف آپ ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری بلڈنگ والوں کے لیے خطرات بڑھ سکتے ہیں۔“

ساڑھے چار بجے میں اپنی بیوی بچوں سمیت گھر پہنچ گیا۔ ہنوز نعیہ اور بچے ایمبولنس میں ہی تھے اور میں فلیٹ کا تالا کھول رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا پندرہ بیس چو ہے اچھل اچھل کر طوفانی تیزی سے میرے دائیں بائیں سے گزرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

چوہوں کی بہتات نے میرے ذہن پر خوف کے سناٹے سے مسلط کر دیے۔ اندرونی طرف فرش پر وہی چوہا مرا ہوا پڑا تھا مگر، میرے بچوں کے خون کا ایک قطرہ بھی کہیں نظر نہیں آیا۔

ایک ایک کر کے میں نے تینوں بچوں کو پلنگ پر لٹا دیا۔ ایمبولنس چلی

کے مکین زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر مختلف ہسپتالوں میں پہنچا رہے تھے۔
رونا پینا مچا ہوا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ایک ایسی کیا
ہو گیا ہے۔

گرمی کے عذاب سے تو اللہ تعالیٰ نے نجات دلا دی لیکن یہ نیا عذاب
اٹھ کھڑا ہو اٹھا۔ میں۔۔۔۔۔ صرف میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کس
وجہ سے ہو رہا ہے۔

بارشیں بالکل ہی رک گئیں لیکن سڑکوں اور گلیوں میں سیلابی کیفیت
جاری رہی۔ گٹر بدستور ابلتے رہے اور صفائی کا عملہ غائب ہی رہا۔
اخبارات چیختے رہے۔ سوشل ورکرز کارپوریشن کی بے بسی کا رونا
روتے رہے۔ آخر محلہ کمیٹیوں نے اپنی مدد آپ کے اصولوں پر عمل
کرنے کے پروگرام مرتب کرنے شروع کر دیئے۔
میں مسلسل سوچتا رہا۔ سوچتا رہا اور کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے کے لیے ایک

گئی اور نغمہ بچوں کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ گئی۔ جیسا کہ ہم نے سیلنگ
فینز اور لائٹوں کے بٹن آن ہی چھوڑے ہوئے تھے۔ میں نے تنکے
والی جھاڑو سے مرے ہوئے چوہے کو باہر کی طرف اچھال دیا اور
پھر غسل خانے سے ٹائفون اور اسپرے گن اٹھا کر پورے فرش پر
ٹائفون چھڑک دیا۔

فارغ ہوا ہی تھا کہ اطراف کی مسجدوں سے صبح کی اذانیں گونج
اٹھیں۔



صبح ہونے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ گراؤنڈ فلور کے آٹھوں فلیٹوں میں
آدم خور چوہے اپنی بربریت کے نشان ثبت کر چکے ہیں۔ آٹھ مرد
بارہ عورتیں اور اٹھارہ بچے ایڑیوں کے گوشت سے محروم ہو چکے تھے۔
پورے گراؤنڈ فلور پر قیامت سی مچی ہوئی تھی۔ فرسٹ فلور اور سیکنڈ فلور

سے ایک پروگرام مرتب کرتا رہا۔

بالآخر ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی گئی۔ اس کے باوجود میں نے بار بار اپنی سکیم پر غور کرنے کے بعد ہی پانچوں منزلوں کے سربراہان کی ایک میٹنگ طلب کی۔

میٹنگ بلڈنگ کی چھت پر مرتب کی گئی۔ ایک تو اس لئے کہ بارش کے امکانات بڑی حد تک ختم ہو چکے تھے۔ دوم یہ کہ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

”حضرات۔۔۔“ میں نے سیکریٹری ہونے کے ناطے گفتگو کی ابتداء کی۔

”جس حادثے سے آپ لوگ آج دو چار ہوئے ہیں میں اول روز ہی اس کی لپیٹ میں آچکا ہوں۔ یہ دیکھئے میرے پیر پر بینڈ تاج کی ہوئی ہے۔۔۔“ کہتے ہوئے میں نے چپل اتار کر اپنا پیر سب کو

دکھایا اور انہیں اپنے زخمی ہونے اور پھر دوسرے روز بچوں کے زخمی ہونے تک کے تمام واقعات بتا دیئے۔ میں نے انہیں ڈاکٹر کی رائے بھی بتلا دی۔ ”ہمارے بچے ہمارے بھائی اور ہماری بہنیں جو اب تک چوہوں کا شکار ہو چکے ہیں، ان کے زخم بھرنے میں ایک سے تین ماہ لگ سکتے ہیں۔

نہیں کہا جاسکتا کہ آنے والے دنوں میں کیا صورت حال پیش آسکتی ہے۔“ میرا ایک ایک لفظ لوگوں کے ذہنوں پر سننا ہٹ سی طاری کئے ہوئے تھا۔ ہر شخص محویت کے عالم میں میرے طرف متوجہ تھا۔ ”میرے ذہن میں ایک پلان ہے۔ وہ یہ کہ آج کل باہر کی سیوریج لائنیں بالکل جام ہیں۔ نہیں کہا جاسکتا کہ کل صبح تک سرکاری محکمہ پہنچ جائے اور بند سیوریج لائنوں کی روانی کو قائم کر دے۔

اگر ایسا ہوا تو تمام آدم خور چوہے، جن کی تعداد میں روز بروز اضافہ

ہو رہا ہے۔ محفوظ ہو جائیں گے۔

ہماری بلڈنگ کی انڈر گراؤنڈ شاخیں بھی پانی سے بھری ہوئی ہیں اور جس قدر بھی آدم خور چو ہے ہیں وہ ہر فلیٹ کی نکاسی لائن میں موجود ہیں۔

کرنا ہم نے یہ ہے کہ مین ہول کو ہم کسی نہ کسی طرح بند کر دیتے ہیں اور سیکنڈ فلور سے گراؤنڈ فلور تک ڈبلیوسی سوراخوں اور غسل خانے اور کچن کے پائپوں میں تیزاب ڈال کر، بلکہ انہیں تیزاب سے بھر کر تمام ڈبلیوسی کو بند کر دیں۔ اس طرح آدم خور چو ہے یا دیگر چو ہے گل سڑ جائیں گے۔

تاہم بطور احتیاط ہم چو ہے مارزود اثر داؤوں کو کسی بھی جانور کے گوشت کی بوٹیوں کے ساتھ ہر فلیٹ میں بکھیر دیں گے۔ بچوں اور عورتوں کو مسہریوں پر سونے کی ہدایت کر کے ہم مرد کرسیوں یا ٹیبلوں

پر دبک کر بیٹھ جائیں گے اور بچے کھچے چوہوں کی تاک میں جاگتے رہیں گے۔

میری اس رائے سے اگر کسی صاحب کو اعتراض ہو یو کسی کے پاس اس سے بہتر کوئی پروگرام ہو تو بے شک بتا سکتا ہے۔۔۔۔۔ بات ختم کر کے میں بیٹھ گیا اور لوگ آپس میں مشورے کرتے رہ گئے۔ دس منٹ کی بجھنا ہٹ کے بعد سب بیک زبان منظور ہے ”منظور ہے“ کی آوازیں نکالتے رہ گئے۔

مغرب سے پہلے پہلے ہر مکیں چار سے آٹھ آٹھ تیزاب کی بوتلیں خرید لایا اور ایک گھنٹے کی جہد مسلسل سے بنے بنائے پروگرام پر عمل کر لیا گیا۔ گراؤنڈ فلور سے سیکنڈ فلور تک کے چوبیس فلیٹوں کی نگرانی شروع ہو گئی۔ لیکن صبح ہونے تک ایک بھی چوہا کہیں نظر نہیں آیا۔ اور سورج طلوع ہونے کے بعد جب بلڈنگ کے اندر اور بلڈنگ کے

خوفناک چو ہے

باہر کے گٹروں کے ڈھکن کھولے گئے تو گند پانی ابل ابل کر بہنے لگا۔
ڈھکن کھولنے والے نوجوان بہت ہی محتاط تھے اور ابلتے پانی سے ہر
ممکن بچنے کی کوشش کرتے رہے۔

گندے پانی کے ساتھ ہی چھوٹے بڑے چوہوں کے ڈھانچے بے
تحاشہ نظر آئے۔ ایک شور مچ گیا۔ اس طرح آدم خور چوہے اپنے
منطقی انجام کو پہنچ گئے۔

﴿قمر جہاں﴾